امریکی جنگ میں ہمارا تعاون؟
دو انتہا پسندانہ رویّے!

تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام ۶ /جنوری ۲۰۱۳ء کو قرآن آڈیٹوریم میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا' جس میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ نے ''امریکی جنگ میں ہمارا تعاون؟ دو انتہا پسندانہ رویے!'' کے عنوان سے خصوصی خطاب فرمایا۔ ماہنامہ میثاق (فروری ۲۰۱۳ء) میں اشاعت کے بعد اب یہ خطاب کتابچے کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ فَتَرَی الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوۡنَ فِیۡهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَخۡشٰۤی اَنۡ تُصِیۡبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَیُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ نٰدِمِیۡنَ ۝ (المائدۃ)

محترم و معزز حضرات اور قابلِ احترام خواتین!

آج وقت کے ایک اہم' نازک اور حساس موضوع پر مجھے گفتگو کرنی ہے۔ آپ دعا کیجیے کہ اس حوالے سے قرآن وسنّت کی راہنمائی صحیح طور پر میں آپ کے سامنے پیش کر سکوں اور کسی نہ کسی درجے میں اس موضوع کا حق ادا کر سکوں۔ آج کے خطاب کا عنوان اخباری اطلاعات کے ذریعے آپ کے علم میں آ گیا ہوگا: ''امریکی جنگ میں ہمارا تعاون؟ دو

انتہا پسندانہ رویّے!'' اس حوالے سے سب سے پہلے مجھے امریکی جنگ کی تھوڑی سی وضاحت کرنی ہوگی۔ یہ معاملہ نائن الیون کے سانحہ یا حادثہ کے بعد شروع ہوا۔ یہ وہ موقع تھا جب ہم قومی اعتبار سے ایک بہت اہم دوراہے پر کھڑے کر دیے گئے اور ایک بہت بڑے امتحان سے دوچار ہو گئے' لیکن یہ یاد رکھیے کہ نائن الیون کے حادثے میں ہمارا یعنی پاکستان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ جڑواں ٹاورز (Twin Towers) ایک خاص منصوبہ بندی اور تکنیک کے تحت گرائے گئے جس میں امریکہ اور اسرائیل کی خفیہ ایجنسیاں ملوث تھیں۔ یہ واقعہ عالم اسلام کے خلاف انسانی تاریخ کی سب سے بڑی سازش تھی جس کے پیچھے evil genius یہود کا زرخیز ذہن اور ان کے ناپاک عزائم ہیں۔ یہود کے ان عزائم سے وہ لوگ خوب واقف ہیں جو بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے خطابات سنتے رہے ہیں اور ان کی تصانیف و تالیف کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ مختصراً میں یہود کی تاریخ اور ان کے عزائم کا تذکرہ کیے دیتا ہوں۔

یہود کے تین بڑے عزائم

یہ لوگ ۷۰ء سے جب ٹائٹس رومی نے یروشلم پر حملہ کر کے بیت المقدس کو مسمار کیا' ایک لاکھ سے زائد یہودیوں کو قتل کیا اور باقی تمام یہودیوں کو جبراً یروشلم سے دیس نکالا دیا' ۱۹۴۸ء تک دنیا میں مارے مارے پھرتے رہے اور بالآخر ۱۹۴۸ء میں فلسطین کی ریاست قائم ہوئی۔ اس طرح اپنی تمام تر ذہانت کے باوجود تقریباً پونے انیس سو برس دنیا میں انہیں مار پڑتی رہی اور یہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے۔ ان کی سب سے بڑی دشمنی اسلام کے ساتھ ہے' لیکن وہ پوری نوع انسانی سے اپنے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کا انتقام لینا چاہتے ہیں اور فلسطین کی ریاست قائم کرنے کے بعد اب یہ لوگ ''گریٹر اسرائیل'' قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں —— ان کے عزائم میں سرفہرست پوری دنیا کو معاشی غلامی کے شکنجے میں کسنا ہے' یعنی یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں موجود تمام وسائل پر ہمارا کنٹرول ہو' اور بہت حد تک وہ اس میں کامیاب ہیں۔ گریٹر اسرائیل کا قیام ان کا دوسرا بڑا مقصد ہے جس کا نقشہ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر آویزاں ہے۔ اس نقشے کے مطابق پورا فلسطین' پورا شام' عراق (کم از کم دجلہ تک)' مصر کا زرخیز علاقہ' ترکی کا جنوبی حصہ اور سعودی عرب کا بھی شمالی حصہ بشمول مدینہ' یہ سب گریٹر اسرائیل کا حصہ بنیں گے۔ یہ لوگ مکّہ مکرمہ کو اس میں شامل نہیں کرتے' جبکہ مدینہ منورہ کے حوالے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ مدینہ میں داخلے کی کوشش کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ مدینہ کی حفاظت فرمائیں

گے۔ان کا تیسرا بڑا مقصد ہیکلِ سلیمانی (3rd Temple) کی تعمیر ہے‘ جس کے لیے مسجد اقصیٰ کو گرانا ہوگا‘ جو مسلمانوں کے لیے ہرگز قابلِ برداشت نہیں ہوگا۔

یہ ان کے تین بڑے عزائم ہیں جس کے لیے ان کا مذہبی عنصر اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ ہماری فلسطینی ریاست اب اس قدر مستحکم ہو چکی ہے کہ ہم نے تقریباً پورے جزیرۂ عرب کو اپنے کنٹرول میں کرلیا ہے تو اب کیوں آگے نہیں بڑھتے اور اب تک مسجد اقصیٰ کو کیوں نہیں گرایا گیا؟ بہرحال مسجد اقصیٰ کو گرانے اور عظیم تر اسرائیل کے قیام کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہیں اور پھر ان میں بھی بالخصوص وہ مسلمان مجاہدین جو دین کا ایک سیاسی شعور بھی رکھتے ہیں کہ اسلام صرف چند عقائد کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو کُل زندگی پر محیط ایک مکمل نظام حیات ہے جو دنیا کے باقی نظاموں پر غلبہ چاہتا ہے — بالفاظِ قرآنی: ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ ’’اور اللہ کا کلمہ (نظام) ہی غالب رہنے والا ہے‘‘ — اور اس کے لیے جہاد اور قتال مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہودی طبقہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کے اس جہادی عناصر کو کچلنا چاہتا ہے تاکہ اُن کے لیے میدان صاف ہو جائے اور رکاوٹ کھڑی کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔ اپنے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے نائن الیون کا ڈرامہ رچایا اور بغیر کسی ثبوت کے افغانستان پر حملہ کر دیا گیا۔ افغانستان پر حملہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ نہ صرف اس سرزمین میں جہاد بالفعل زندہ ہوگیا تھا‘ بلکہ امارتِ اسلامیہ کے قیام کے بعد یہ سرزمین تو جہاد کی ایک نرسری بن گئی تھی۔ روس کے خلاف افغان مجاہدین اور پوری دنیا سے آنے والے مجاہدین نے یہاں عملاً جہاد میں حصہ لیا‘ حالانکہ اس سے پہلے جہاد عملاً منسوخ کے درجے میں تھا۔ اُس وقت بعض مسلم سکالرز ایسے بھی تھے جو اس سے فکری اعتبار سے بھی مستعفی ہو چکے تھے اور ایسے لوگ آج بھی ہیں‘ جبکہ بہت سے ایسے لوگ بھی موجود تھے جو جہاد کو دین کی ایک بہت بڑی حقیقت مانتے تھے اور جہاد کے لیے موقع کی تلاش میں تھے لیکن کوئی راہ عمل سجھائی نہیں دیتی تھی۔ لہٰذا جب روس کے خلاف جہاد کا موقع آیا تو ہر ملک سے مجاہدین یہاں آئے۔ پھر امریکہ کی بھی حکمت عملی یہ بنی کہ مسلمان مجاہدین سے فائدہ اٹھا کر روس کو شکست دی جائے اور وہ بلاشرکت غیرے پوری دنیا پر حکمرانی کرے۔ اس خواب کو پورا کرنے کے لیے امریکہ نے دنیا بھر سے مسلمان مجاہدین کی افغانستان آمد کی حوصلہ افزائی کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روس کو تو شکست ہوگئی لیکن جہاد ازسرِنو عملاً زندہ ہوگیا۔

اس کے بعد ان مجاہدین کو ختم کرنے کے لیے امریکہ اور یہود نے سازشوں کا جال بُنا' جس کی وجہ سے مسلمان مجاہدین آپس میں ٹکرائے اور اپنی قوت کو انہوں نے خود ہی بہت کمزور کرلیا۔ بالآخر طالبان جو مخلص مجاہدین تھے' کی قوت اُبھری اور اس طرح افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور اس کے بعد یہ سرزمین جہاد کی نرسری بن گئی۔ فلپائن' چائنا' چیچنیا' برما' بنگلہ دیش الغرض پوری دنیا سے مسلمان کھنچ کر یہاں آتے اور جہاد کی ٹریننگ لیتے۔ ہمیں تو شاید یہاں معلوم نہیں تھا لیکن پوری دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ یہ سرزمین تو جہاد کی نرسری بن گئی ہے اور یہاں سے مجاہدین ٹریننگ لے کر ساری دنیا میں جا رہے ہیں۔ لہٰذا ان کے پیش نظر اس جہادی عنصر کو کچلنا ضروری تھا۔

نائن الیون کا ڈراما اور اس کے پس پردہ مقاصد

البتہ مسلمانوں کے اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام اور مجاہدین کو کچلنے کے لیے ایک بات بے حد ضروری تھی کہ کسی بھی طرح پوری دنیا کی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کیا جائے اور مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت اور بغض کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ چنانچہ انہیں نائن الیون کا ڈرامہ رچانا پڑا اور اپنے ورلڈ ٹریڈ سینٹر (twin towers) کی قربانی دینی پڑی جو نیویارک میں ان کی عظمت اور برتری (dignity) کا ایک نشان تھے۔ (انہوں نے کمال عیاری کے ساتھ کچھ مخلص عرب مجاہدین کو اس کام میں شریک کرتے ہوئے انہیں Fore front پر رکھا اور انہی پر سارا الزام لگا دیا) لیکن جو کچھ ہوا اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں ان کی اپنی ہی ایجنسیوں کا ہاتھ تھا اور اب ساری دنیا جانتی ہے کہ twin towers انہوں نے خود گرائے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے جس کے حتمی اور قطعی شواہد موجود ہیں اور اب اس کا انکار ایسے ہی ہے جیسے سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو اور کوئی اس کا ڈھٹائی سے انکار کردے۔ ان کے اس ڈرامے کو سچ ثابت کرنے اور دنیا کی نظروں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے میں میڈیا نے بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ کو یاد ہے کہ الیکٹرانک میڈیا پر بار بار ایک ہی چیز دکھائی جارہی تھی کہ ایک جہاز آیا اور اس کے ٹکرانے سے اوپر کی منزلوں میں آگ بھڑک اٹھی اور پھر کچھ دیر بعد یہ ٹاورز فری فال کی سپیڈ سے سیدھے زمین بوس ہوگئے۔ جہاز کی ٹکر سے ٹاورز کا زمین بوس ہونا ہی ثابت کر رہا ہے کہ یہ سب کچھ ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔ اس حوالے سے سائنسی ثبوت موجود ہیں اور ان کے اپنے انجینئرز کہتے ہیں کہ

محض جہاز کے ٹکرانے اور آگ بھڑکنے سے ناممکن ہے کہ یہ ٹاور سیدھے زمین بوس ہو جائیں۔ اس کے ساتھ پہلے ہی دن میڈیا میں ہر طرف اسامہ بن لادن' القاعدہ اور افغانستان کا تذکرہ شروع کر دیا گیا — الغرض میڈیا کے اس بھرپور کردار کی وجہ سے پورے عالمِ اسلام اور خاص طور پر افغانستان' اسامہ اور مسلمان مجاہدین کے خلاف ساری دنیا غیظ وغضب میں بھر گئی۔

نائن الیون کے اس ڈرامے کا پہلا بلاواسطہ اور سب سے بڑا ٹارگٹ افغانستان سے مجاہدین اسلام اور اسلامی حکومت کا خاتمہ تھا اور اس ضمن میں بالواسطہ ٹارگٹ پاکستان بھی تھا۔ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی ع ''میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح''۔ یہود تو بہت پہلے سے پاکستان کو اپنا دشمن نمبر ایک قرار دیے ہوئے تھے اور انہیں یقین تھا کہ یہی سرزمین ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن سکتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کے خاتمہ کے لیے ایک جامع منصوبہ بندی کی — اس حوالے سے ان کا دوسرا بڑا ٹارگٹ عراق تھا' اس لیے کہ انہیں پوری عرب دنیا میں سب سے بڑا خطرہ عراق اور اس کی جنگی قوت سے تھا۔ چنانچہ جب عالم اسلام کے خلاف عالمی سطح پر نفرت اور غیظ وغضب پیدا کر دیا گیا تو پہلے افغانستان پر اور پھر عراق پر حملہ کیا گیا۔ اس کے لیے جھوٹے بہانے تراشے گئے جن کا جھوٹا ہونا بعد میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔

''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کا اصل ہدف صرف مسلمان ہیں

افغانستان اور عراق پر امریکی اور نیٹو فورسز کے حملوں میں لاکھوں مسلمان خاک و خون میں غلطاں ہوئے ہیں اور ہزارہا مجاہدین نے شہادت کی موت پائی ہے' لیکن عالمی ضمیر پر کوئی جوں تک نہیں رینگی' اس لیے کہ ان کے نزدیک مسلمان اب اس قابل ہیں کہ کیڑے مکوڑوں کی طرح انہیں ختم کر دیا جائے۔ یہ ماحول انہوں نے میڈیا کے بھرپور تعاون سے عالمی سطح پر پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ نائن الیون کے فوراً بعد ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' (war on terror) شروع کر دی گئی۔ اس میں بھی اصل بات جاننے کی یہ ہے کہ war on terror کا اصل ہدف کون تھا؟ اگر دیکھا جائے تو انتہا پسندی اور دہشت گردی (terrorism) تو دنیا کے بے شمار خطوں اور ملکوں میں ہے اور ہر قوم اور مذہب کے لوگ کسی نہ کسی سطح پر انتہا پسندانہ اقدام (terrorist activities) کر رہے ہیں' لیکن اس war on terror کا ہدف صرف اور صرف مسلمان تھے اور ہیں۔ اور پھر سونے پہ سہاگہ کے

مصداق لطف یہ ہے کہ طے کر دیا گیا کہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی تعریف بھی وہی معتبر قرار پائے گی جو امریکہ کرے گا۔ یہ تعریف (definition) اگرچہ مسلسل بدل رہی ہے لیکن ایک بات طے ہے کہ اس کا اصل ہدف صرف مسلمان ہیں اور اس بدلتی ہوئی تعریف کے پس منظر میں مسلمانوں کے گرد گھیرا تنگ کرنا مقصود ہے۔ اب تک یہ دہشت گردی اور دہشت گرد کی کئی ایک تعریفیں کر چکے ہیں۔ مثلاً:

(۱) جو مسلمان تمام طاغوتی طاقتوں' غیر اسلامی حکومتوں اور غیر مسلموں کے خلاف اللہ کے دین کے غلبے اور قیام کے لیے اسلحہ اٹھا لے وہ دہشت گرد ہے۔

(۲) بعد میں اس کو وسعت دے کر یہ کہا گیا کہ وہ مسلمان جو اسلام کے سیاسی غلبہ کا تصور رکھتے ہیں اور دین کو قائم اور غالب دیکھنا چاہتے ہیں وہ بھی دہشت گرد ہیں۔

(۳) حامد میر نے چند سال پہلے اپنے ایک کالم میں لکھا تھا کہ وہ لاس ویگس میں ہونے والی اُس کانفرنس میں خود شریک تھے جس میں ان کے تھنک ٹینکس بیٹھے اپنی کارکردگی کا جائزہ لے رہے تھے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہم نے کہاں تک کامیابی حاصل کی اور مستقبل میں ہم نے کہاں تک آگے جانا ہے۔ اس کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ سے ہر مسلمان جو اس قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہو وہ ہمارے نزدیک دہشت گرد شمار ہوگا' اس لیے کہ اس قرآن میں جہاد و قتال کا حکم ہے —— بہرکیف یہ جنگ مکمل طور پر مسلمانوں کے خلاف ہے اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے درجہ بدرجہ سب سے پہلے ٹارگٹ تو وہ مسلمان ہیں جنہوں نے ہتھیار پہلے سے اٹھا رکھے ہیں۔ دوسرے نمبر پر وہ مسلمان ہیں جو یہ تصور رکھتے ہیں کہ جب انہیں موقع ملے گا تو وہ اللہ کے دین کو قائم اور غالب کریں گے اور اس کے لیے قوت کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اس سے آگے بڑھ کر تیسرے نمبر پر ان کا نشانہ ہر وہ کلمہ گو مسلمان ہے جو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہے۔ اس حوالے سے اب گویا مسلمان کے لیے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ صاف طور پر قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر دے۔ (معاذ اللہ!)

امریکی جنگ میں تعاون کا پرویزی فیصلہ: ایک انتہا پسندانہ رویہ

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ یاد رکھیں کہ مسلمانوں کے خلاف اس سازش کا اوّلین کردار اور ماسٹر مائنڈ یہودی طبقہ ہے' جبکہ امریکہ ایک بدمست ہاتھی کی مانند ان کے اشاروں پر ناچ رہا ہے' بلکہ ناچنے پر مجبور ہے' اس لیے کہ اس کی رگِ جان یہود کے پنجے میں

ہے۔اس طرح سامنے تو امریکہ' نیٹو اور نیٹو فورسز ہیں جبکہ پیچھے سے انہیں دھکیلنے والی اصل طاقت یہود(Jews) کی ہے۔ چنانچہ امریکہ کو اپنے آقاؤں کی جانب سے افغانستان اور بالواسطہ (indirectly) پاکستان کو ٹارگٹ کرنے کا حکم نامہ ملا اور عالمی طاغوتی طاقت نے افغانستان کے خلاف جنگ میں دھمکی آمیز لہجے میں ہم سے تعاون کا تقاضا کیا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اس وقت قیادت ایک آمر مطلق جرنیل کے پاس تھی جو ایک ہی دھمکی میں ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔اس کی تفصیل اس وقت کے امریکن چیف جنرل ٹومی فرینک نے اپنی یادداشت میں لکھی ہے کہ ہم نے مشرف حکومت کے سامنے مطالبات کی ایک طویل فہرست رکھی اور ہم توقع کر رہے تھے کہ وہ مزاحمت تو کرے گا لیکن کچھ نہ کچھ ہمارے مطالبات بھی بالآخر مان ہی لے گا لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہمارے سارے کے سارے مطالبات مان لیے گئے۔ یہ ہے سجدہ ریز ہونے کی انتہا! گویا ع ''دھمکی میں مرگیا جو نہ بابِ نبرد تھا!''

اس سجدہ ریزی کے بعد ہم اُس جنگ میں امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی بن گئے جس کا اوّلین مقصد افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کر کے وہاں موجود جہادی عنصر کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا تھا۔ پھر ان میں بھی بالخصوص عرب مجاہدین کا قلع قمع کرنا ان کی ترجیح اول تھا' اس لیے کہ یہی وہ عناصر تھے جن سے یہودی طبقہ سب سے زیادہ خوفزدہ تھا اور یہی جہادی عنصر ان کے ناپاک عزائم کی راہ میں کوہِ گراں ثابت ہوسکتا تھا۔ اہلِ پاکستان کے لیے یقیناً یہ ایک بہت بڑا دوراہا تھا جسے عام طور پر پرویز مشرف کے یوٹرن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ پوری قوم کا امتحان تھا' جس میں ہم نے بحیثیت قومِ اسلام اور عالمِ اسلام سے بے وفائی کرتے ہوئے اپنے تئیں پاکستان کو بچانے کی خاطر اسلام کے خلاف عالمی طاغوتی قوتوں کے ساتھ بھرپور تعاون کا فیصلہ کرلیا اور نعرہ لگایا گیا: ''سب سے پہلے پاکستان!''

اس نعرے کا تجزیہ کریں تو اس کے مختلف شیڈز یوں ہوں گے:

سب سے پہلے اسلام نہیں' پاکستان!

سب سے پہلے مسلمانوں کا مفاد نہیں' پاکستان کا مفاد!

سب سے پہلے عالم اسلام کا مفاد نہیں' پاکستان کا مفاد!

سب سے پہلے اللہ کا حکم نہیں' امریکہ کا تقاضا!

دوسرے لفظوں میں — گویا ہمارے نزدیک ''کائنات کی سب سے بڑی قوت اللہ نہیں' امریکہ ہے!''

امریکی اتحادی بننے پر بانی تنظیم اسلامیؒ کی بھرپور مخالفت

آپ کو یاد ہوگا کہ اس موقع پر پرویز مشرف نے ایک نام نہاد مشاورت کا اہتمام بھی کیا تھا۔ فیصلہ پہلے کیا جاچکا تھا لیکن لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے مشاورت کا اہتمام کیا گیا۔ سیاست دانوں اور صحافیوں کے ساتھ بھی ایک ایک نشست ہوئی اور علماء و مشائخ کے ساتھ بھی ایک نشست ہوئی۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ﷫ کو بھی شرکت کا دعوت نامہ ملا اور وہ تشریف لے گئے۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ وہاں انہوں نے کیا کہا تھا۔ ابھی پچھلے دنوں اس حوالے سے مولانا رفیع عثمانی صاحب کا کالم اخبار میں شائع ہوا تھا۔ انہوں نے اسی میٹنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بہت شدید الفاظ میں امریکی جنگ میں اس تعاون کی مخالفت کی تھی اور وہ بہت شدید جذبات میں تھے ——— بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ﷫ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کا بے پناہ جذبہ عطا کیا تھا' اپنے کلام قرآن حکیم کے ساتھ ایک ذہنی وقلبی مناسبت عطا فرمائی تھی اور خادمِ قرآن کے طور پر منتخب فرمایا تھا۔ پھر عالمی حالات' عالمی سیاست اور ملکی سیاست وحکومتی معاملات کا بھی گہرا فہم وشعور بخشا تھا ——— انہوں نے پرویز مشرف کے منہ پر جس شدت کے ساتھ اس فیصلے کی مخالفت کی تھی وہ ریکارڈ پر ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اس جنگ میں امریکہ کے ساتھ تعاون اولاً تو عدل وانصاف کے عالمی اصولوں کے بھی خلاف ہے' اس لیے کہ جرم ثابت ہی نہیں ہوا ——— جرم تو آج بھی ثابت نہیں ہے اور کسی مسلمان ملک کے حکمران کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ پہلے ثبوت پیش کرو۔ البتہ فرانس یا جرمنی میں سے کسی ایک نے یہ ضرور کہا تھا کہ ثبوت تو لاؤ ——— بہر حال آپ نے فرمایا کہ پاکستان کا اس جنگ میں امریکہ کے ساتھ تعاون اولاً تو عدل وانصاف کے عالمی اصولوں سے بھی غداری ہے' جبکہ ثانیاً یہ تعاون ملی اخوت کے اخلاقی اصولوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ہم اپنے برادر اسلامی ملک کے خلاف ناحق ایک ظالم کا ساتھ دیں۔ ثالثاً یہ کہ ہمارا یہ طرزِ عمل اللہ اور اس کے دین کے ساتھ بھی غداری ہوگی۔ (اس لیے کہ ایک ابلیسی وطاغوتی قوت کا آلۂ کار بن کر ایک اسلامی حکومت کا خاتمہ کرنا اور بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام میں شریک ہونا صریحاً اللہ اور اس کے دین کے ساتھ غداری ہے) اس کے ساتھ والد محترم نے یہ بھی فرمایا کہ امریکہ کی اس جنگ میں شرکت کے جو مادی فوائد آپ نے گنوائے ہیں' مثلاً معیشت مضبوط ہوگی' جہادِ کشمیر میں ہمیں سپورٹ ملے گی' ایٹمی پروگرام کو

تحفظ ملے گا وغیرہ‘ یہ سب چیزیں ایک ایک کر کے آپ کے ہاتھ سے نکل جائیں گی‘ اور ہمارے پلّے کچھ نہیں رہے گا۔

میرے نزدیک پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی اس امتحان میں بری طرح ناکام ثابت ہوئی جس میں ہم اللہ کی طرف سے ڈالے گئے تھے۔ ایک طرف ہمارے دین وایمان کا تقاضا تھا اور دوسری طرف دنیوی و مادی مفادات —— تو ہم نے دوسرا آپشن قبول کر لیا۔

پرویز مشرف کے امریکی جنگ میں تعاون کے فیصلے اور ''سب سے پہلے پاکستان'' کے نعرے کے خلاف اِکّا دُکّا آوازوں کے سوا کوئی بلند اور مضبوط آواز ان مذہبی جماعتوں کی طرف سے بھی نہیں اٹھی جو ملک کی سیاست میں عمل دخل اور بہت اثر ورسوخ رکھتی ہیں۔ اس طرح یہ کسی ایک شخص کا نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی پوری قوم کا جرم تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج ہم طرح طرح کے عذابوں کا شکار ہیں۔ اسی عرصے میں تاریخ کے بدترین زلزلے اور سیلاب‘ ٹارگٹ کلنگ اور خود کش دھماکے‘ بدترین بدامنی اور دہشت گردی‘ معیشت کا دیوالیہ پن‘ پانی کا بحران‘ انرجی کرائسس‘ گیس کی قلت‘ مہنگائی کا سیلاب‘ بے روزگاری اور پھر اس کے نتیجے میں جرائم کا طوفان‘ یہ سب ہمارا مقدر بنے۔ اُس وقت کہا گیا تھا کہ اگر ہم نے امریکہ کا ساتھ نہ دیا اور اس کے خلاف کھڑے ہو گئے تو ہمارا تورا بورا بنا دیا جائے گا۔ اس ڈر سے ہم امریکہ کے اتحادی بنے‘ لیکن ''تورا بورا'' بننا پھر بھی ہمارا مقدر ٹھہرا۔

مسلمان ملک کے خلاف امریکی جنگ میں تعاون: کفریہ حرکت

یہ ایک انتہائی رویہ ہے جو ایک کلمہ گو مسلمان حکمران کی طرف سے سامنے آیا جو اس بات پر بھی فخر کا اظہار کرتا تھا کہ اس نے خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اس کے اس جرم عظیم میں وہ سب لوگ برابر کے شریک ہیں جو اس کی حکومتی مشینری کا حصہ تھے اور انہوں نے برضا ورغبت اس کے اس فیصلے کو قبول کیا اور اس کے ساتھ اس شیطانی ایجنڈے میں تعاون کیا۔ اسی طرح ملکی سطح کی وہ سیاسی یا مذہبی جماعتیں اور نمایاں افراد بھی تبعاً شریک جرم ہیں جنہوں نے اس فیصلے کے خلاف آواز نہیں اٹھائی بلکہ اس فیصلے کو قبولیت کا سرٹیفکیٹ عطا کیا۔ امریکی جنگ میں ہمارے اس مخلصانہ اور out of the way تعاون کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں نے ہمارے بھرپور تعاون کے بل بوتے پر افغانستان پر وحشیانہ بمباری کر کے اسلامی حکومت‘ جو دنیا کے نقشے پر حقیقی معنوں میں واحد اسلامی حکومت تھی‘ کا

خاتمہ کر دیا —— پرویز مشرف نے اپنی کتاب میں یہ کریڈٹ لیا ہے کہ اگر ہمارا اس جنگ میں تعاون نہ ہوتا اور ہم فرنٹ لائن اتحادی کی حیثیت سے اس جنگ میں شامل نہ ہوتے تو امریکہ کو افغانستان میں کامیابی کبھی نہ ملتی —— اس جنگ میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو' جن میں بچے بوڑھے اور خواتین بھی شامل تھیں' خاک و خون میں غلطاں کیا گیا۔ لاکھوں گھروں کو مسمار کیا گیا۔ اللہ کے دین کے وفادار ہزار ہا مجاہدین' جن میں طالبان افغانستان کے علاوہ عرب اور دیگر مجاہدین بھی بڑی تعداد میں تھے' کا قتل عام کیا گیا اور ہزاروں کو قیدی بنا کر سخت ترین تشدد و تعذیب کا نشانہ بنایا گیا۔

امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی ہونے کے ناطے اس شیطانی و طاغوتی ایجنڈے کی تکمیل میں ہم مسلمانانِ پاکستان برابر کے شریک ہیں۔ ہمارے اس جرم کی شدت اور شناعت کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بظاہر کفر اور طاغوت کی چھیڑی ہوئی جنگ میں اسلام کے خلاف ان کے ساتھ دینا کفریہ حرکت ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝۷۶﴾

''جو مؤمن ہیں وہ تو اللہ کے لیے لڑتے ہیں' اور جو کافر ہیں وہ بُتوں (طاغوت) کے لیے لڑتے ہیں' سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔''

اس میں کیا شک ہے کہ ہماری یہ جنگ طاغوت کے لیے ہے جس کا ''صفِ اوّل کا اتحادی'' بننا ہم نے قبول کیا۔ لیکن کیا واقعتاً اس بنیاد پر پاکستانی قوم کو کافر قرار دے کر بلکہ حربی کافر قرار دے کر ان سے وہی سلوک روا رکھنا مناسب ہے؟—— قرآن حکیم کے بعض دیگر مقامات کو سامنے رکھتے ہوئے مجھے اس بارے میں جو رہنمائی ملی ہے وہ میں آگے جا کر بیان کروں گا' ان شاء اللہ!

سورۃ النساء کی محولہ بالا آیت کی روشنی میں امریکی جنگ اور اس میں تعاون کے بارے میں اس انتہا تک بھی سوچ گئی ہے اور بہرحال اس بات میں بڑا وزن بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں بہت سے علماء بیٹھے ہوئے تھے اور ایک بڑے عالم دین' جو ایک بہت بڑی جماعت کے سربراہ بھی ہیں' نے کہا کہ ہمارے بہت سے مسلمان نوجوان ہماری جماعتوں سے ٹوٹ کر اُدھر جا رہے ہیں اور حکومت پاکستان اور مسلح افواج کے خلاف ہتھیار بھی اٹھا رہے ہیں'

اس کا سدِّ باب ہونا چاہیے اور اس پر ہمیں بہت سخت ایکشن لینا چاہیے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کی بات تو ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ بتائیے کہ ایسی سوچ رکھنے والے نوجوان مجھ سے پوچھتے ہیں کہ سورۃ النساء کی متذکرہ بالا آیت کی روشنی میں ہم کس صف میں کھڑے ہیں اور ہمارا مقام کیا ہے؟ تو میرے پاس ان کے سوال کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ اگر آپ کے پاس اس کا جواب ہے تو آپ جواب دیجیے۔ اس پر انہوں نے کوئی واضح جواب دینے کی بجائے ٹال مٹول سے کام لیا۔ لیکن حقیقت اور امر واقعہ یہی ہے کہ یہ ایک بڑا سنگین معاملہ تھا اور قرآن مجید بھی کہتا ہے کہ یہ تو سیدھا سادھا طاغوت کی صف میں شامل ہونے والی بات ہے۔ بہرحال امریکی جنگ میں ہمارے تعاون کی ایک انتہا پر یہ کردار ہے جو پرویز مشرف، اس کے ساتھیوں، اس کی سوچ رکھنے والوں اور اس جیسی سوچ کی تائید کرنے والوں نے ادا کیا اور امریکہ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

اگرچہ بحیثیت قوم ہم مسلمانانِ پاکستان اس آزمائش میں ناکام ثابت ہوئے لیکن قوم کے افراد میں اچھی خاصی تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں پرویز مشرف کے اس فیصلے سے جو اللہ اور اس کے دین کے ساتھ بغاوت پر مشتمل تھا' اختلاف تھا۔ پھر اختلاف کرنے والوں کے بھی بہت سے shades ملتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے اختلاف تو کیا لیکن اس فیصلے کے خلاف آواز نہیں اٹھائی، یعنی سمجھوتہ (compromise) کر لیا۔ بعض نے اپنی بساط کے مطابق آواز اٹھائی، جبکہ بعض نے نہایت شدت کے ساتھ آواز اٹھائی، اور قوم کو اس کے خوفناک نتائج سے آگاہ کرنے کی بھرپور کوشش کی، جن میں بحمدِ اللہ بانی تنظیم اسلامیؒ اور تنظیمِ اسلامی اور اس کی موجودہ قیادت بحیثیتِ مجموعی شامل ہے۔

پاکستانی قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن اور اس کے نقصانات

یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا اور بی باون جیسے بمبار طیاروں کی بوچھاڑ اور ڈیزی کٹر جیسے ہولناک بموں کی بارش کے ذریعے طالبان کے نام پر افغان عوام کا قتل عام شروع کیا تو ملا عمر اور ان کے ساتھیوں نے عوام کو قتل عام سے بچانے کے لیے یہ منصوبہ بندی اختیار کی کہ وہ شہروں میں ٹھہرنے کے بجائے پہاڑوں میں چلے گئے۔ دو تین سال وہ منقار زیر پر رہے اور کوئی سرگرمی ان کی طرف سے دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ وہ منظم ہونا شروع ہوئے اور انہوں نے کچھ گوریلا کارروائیوں کا آغاز کیا۔ گوریلا کارروائیوں میں ان پناہ گزین مجاہدین نے بھی ان کا ساتھ دیا جو ہمارے قبائلی بیلٹ

کے اندر آ گئے تھے —— ان پناہ گزینوں میں ایک بڑی تعداد عرب مجاہدین کی تھی اور ان میں سے بہت سوں کا تعلق القاعدہ سے تھا جو قبل ازیں روس کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کے لیے افغانستان آئے تھے اور بعد ازاں امارتِ اسلامی یعنی مُلّا عمر حفظہ اللہ کی اسلامی حکومت کے معاونین میں سے تھے اور نظامِ امارت کے قیام کے بعد باضابطہ مُلّا عمر حفظہ اللہ سے بیعت تھے —— ان مجاہدین نے طالبانِ افغانستان کی مدد شروع کی اور خود قبائلی عوام کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد امریکہ و نیٹو افواج کے خلاف جہاد میں شریک ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں اب ایک نیا منظر نامہ شروع ہو گیا۔

اس پر امریکہ نے پرویز مشرف پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے قبائلی علاقے میں فوجی کارروائی کرے اور ان قبائلیوں اور دیگر مجاہدین کے خلاف کریک ڈاؤن کرے جو افغانستان میں آ کر امریکی اور نیٹو افواج کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں —— واضح رہے کہ جب طالبانِ افغانستان نے گوریلا کارروائیوں کا آغاز کیا اور ادھر ہمارے قبائلی علاقوں سے بھی انہیں تعاون ملنے لگا تو اہلِ پاکستان میں سے وہ مخلص مسلمان جو پہلے دن سے پرویز مشرف کے ناروا فیصلے کے خلاف شدید جذبات رکھتے' ان میں سے بھی کچھ نوجوان جن میں ابتداءً زیادہ تعداد خیبر پختونخوا اور ملحقہ علاقے کے پشتو بولنے والے مسلمانوں کی تھی' وہ بھی امریکہ کے خلاف مجاہدین کی مدد کے لیے قبائلی علاقوں کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

امریکہ کے کہنے پر پرویز مشرف نے اپنے قبائلی علاقوں میں بھی آپریشن کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت قوم کے تمام سنجیدہ اور باشعور طبقات بہانگ دہل کہہ رہے تھے کہ یہ اقدام جس کا مشرف نے تہیہ کر لیا ہے ملکی سالمیت کے لیے شدید خطرات کا باعث ہو گا۔ اس تناظر میں قائداعظم کے وعدے کا حوالہ بھی دیا گیا جو انہوں نے قبائلی زعماء کے ساتھ قیامِ پاکستان کے موقع پر کیا تھا کہ پاکستانی فوج کبھی آزاد قبائلی علاقوں میں دخل اندازی نہیں کرے گی۔ چنانچہ وہ فی الواقع ہماری مغربی سرحد کے محافظ بن گئے تھے اور انہوں نے یہ کردار بھرپور طریقے سے نبھایا۔ ان کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ وہ اسلام اور پاکستان دونوں کے سچے وفادار تھے۔ یہ کشمیر کا جو بچا کھچا علاقہ ہمارے پاس آیا ہے یہ بھی ان کی ہمت اور محنت کا نتیجہ ہے' بلکہ انہوں نے تو کافی بڑا علاقہ ہمیں دلوا دیا تھا جو بعد میں ہم نے خود اپنی غلط حکمت عملی سے گنوا دیا —— جب پرویز مشرف نے ان کے خلاف فوجی آپریشن کا ارادہ کیا تو کہنے والے کہہ رہے تھے کہ یہ قبائلی ہمیشہ اسلام اور پاکستان کے وفادار رہے ہیں اور یہ ہمارے محسن بھی ہیں کہ کشمیر کا قبضہ بھی انہی

کے ذریعے ہمیں ملا ہے' اگر ہم نے ان کے خلاف امریکہ کے دباؤ پر کوئی قدم اٹھایا تو اس کے نتائج بہت خوفناک ہوں گے۔ مجھے پرویز مشرف کے یہ الفاظ آج بھی یاد ہیں کہ اقتدار کے نشے میں سرشار اور خود کو ہر قسم کے احتساب (accountability) سے ماورا سمجھنے والا یہ شخص ان تمام خدشات کے جواب میں یہ کہتا تھا کہ ہم وزیرستان میں فوجی کارروائی خود اپنے مفادات کے تحت کریں گے' ہم کسی کے دباؤ میں نہیں ہیں اور یہ ہمارا اپنا داخلی مسئلہ ہے۔

بہر حال اس آمر مطلق نے سب کی مخالفت کو نظر انداز کرتے ہوئے وہاں فوجی آپریشن کیا۔ بے گناہ قبائلی عوام پر گولے برسائے گئے اور اس مقصد کے لیے فضائیہ کا استعمال کیا گیا۔ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ دینی غیرت وحمیت کی بنا پر طالبانِ افغانستان کی امریکہ اور نیٹو کے خلاف مدد کر رہے تھے' یعنی ظالموں کے خلاف مظلوم کا ساتھ دے رہے تھے۔ انہوں نے پاکستان کے خلاف ہرگز کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ لیکن جب پاکستانی فوج نے ان کے خلاف آپریشن کیا تو پھر انتقاماً انہوں نے بھی پاکستانی افواج پر حملے شروع کر دیے اور پھر اس کا نتیجہ وہی نکلا جس سے سب خبردار کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قبائلیوں کی اپنی نفسیات ہے اور وہ نہ تو کسی کے دباؤ میں آنے والے ہیں اور نہ کسی کو خاطر میں لانے والے ہیں۔ چنانچہ جو کوئی ان کے ساتھ ناحق زیادتی کرے وہ اس سے بدلہ وانتقام ضرور لیتے ہیں۔ وہ ﴿وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا﴾ کے قائل ہیں — لہٰذا ان کی اس انتقامی کارروائیوں کو خالص دینی اعتبار سے دیکھا جائے تو سورۃ الشوریٰ کی آیات ۳۹ تا ۴۳ کی روشنی میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اصل مجرم اور ظالم وہ ہیں جو اپنی طاقت کے زور پر بے گناہ لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ جواباً مظلوم طبقات اگر ردّعمل میں کوئی قدم اٹھائیں تو ان کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر یہ صبر کرتے تو یہ ایک اونچا مقام تھا' لیکن اصل مجرم بہر حال وہی ہے جس نے اپنی طاقت کا غلط استعمال کرتے ہوئے انہیں انتقامی کارروائی پر مجبور کیا۔

لفظ ''طالبان'' کو بدنام کرنے کی عالمی سازش

ان انتقامی کارروائیوں کے ردّعمل میں فوج نے بھی ان کے خلاف مزید سخت قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ یوں ایک شیطانی چکّر (vicious circle) چل پڑا اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسنے لگا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 'را' موساد اور سی آئی اے نے بھی اپنی کارروائیاں شروع کر دیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنرل اسلم بیگ نے آج سے چار پانچ سال

قبل کہا تھا کہ پرویز مشرف کی سب سے بڑی زیادتی اس ملک وقوم کے ساتھ یہ ہے کہ اس نے ان تمام خفیہ ایجنسیوں کے لیے جو واضح طور پر اسلام اور پاکستان کے خلاف ایجنڈا رکھتی ہیں' سارے دروازے کھول دیے ہیں اور چراگاہ کے طور پر پاکستان ان کے سامنے پیش کر دیا ہے ــــ پھر بعد میں یہ ثابت بھی ہوا کہ طالبان کے نام کی آڑ میں یہ کارروائیاں ریمنڈ ڈیوس جیسے خفیہ ایجنسیوں کے کارکن کر رہے ہیں جن کا ہمیں پتا ہی نہیں تھا' لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت (fact) ہے۔ ابھی چند دن پہلے ایرانی صدر احمدی نژاد کا بیان اخبارات میں آیا ہے کہ پاکستان میں اس وقت بھی بے شمار خفیہ ایجنسیاں اور اسلام دشمن ایجنٹس موجود ہیں ــــ اس حوالے سے کون نہیں جانتا کہ رحمان ملک صاحب کے پاس ساری معلومات اور سارے اختیارات ہیں' بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ خاص اسی مہم پر بھیجے گئے ہیں۔ ان کو ان کے مقام سے کوئی نہیں ہلا سکتا۔ سب بدل جائیں گے' وزیر اعظم بدل جائے گا' باقی وزراء بدل جائیں گے' لیکن یہ شخص اپنی جگہ پر قائم رہے گا اور یہ شخص جو کردار ادا کر رہا ہے وہ سب کو معلوم ہے ــــ احمدی نژاد نے یہ بھی کہا کہ اِس وقت بھی ملک پاکستان میں جو تخریبی کارروائیاں ہو رہی ہیں ان کے پیچھے یہی خفیہ ایجنسیاں ہیں۔

اس ساری صورتحال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری کا بازار گرم ہو گیا اور پھر ہر نوع کی دہشت گردی اور تخریبی کارروائی کا الزام طالبان پر لگتا رہا۔ یہ عالمی سطح پر لفظ طالبان کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم تھی جس میں ہمارے میڈیا نے بھی امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی کا کردار ادا کیا اور اس لفظ کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہاں تک کہ لفظ طالبان ایک گالی اور دہشت گردی کی بدترین علامت (symbol) بن کر رہ گیا۔ پھر اس ملک میں یہ تماشا بھی ہوتا رہا کہ کوئی بھی حادثہ رونما ہوا تو تحقیقات سے پہلے اسے فوراً ''خودکش حملہ'' قرار دے دیا جاتا۔ خودکش حملہ کہنے میں دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ انتظامیہ بری الذمہ ہو جاتی ہے کہ خودکش حملے کی روک تھام کے لیے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ تو ایسی چیز ہے جس کو کنٹرول کیا ہی نہیں جا سکتا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ الزام طالبان پر آتا ہے کہ یہ کام تو وہی کرتے ہیں' اور ہمارے دشمن یہی کچھ چاہتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی حملہ کو خودکش حملہ قرار دے کر بیک وقت یہ دو فائدے اٹھائے جاتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ دو تین سال پہلے کراچی میں محرم کے جلوس پر ایک بم دھماکہ ہوا تو حسبِ معمول اگلے روز اخبارات میں یہ سرخیاں لگا دی گئیں کہ یہ خودکش حملہ تھا اور مزید تفصیلات بھی اخبارات میں آ گئیں کہ خودکش

حملہ آور نے اس طرح کا لباس پہنا ہوا تھا' اس کا یہ حلیہ تھا' وہ آگے بڑھا تو ایک پولیس اہلکار نے اسے روکنے کی کوشش کی' اس نے اپنے آپ کو اڑا لیا اور وہ بے چارہ پولیس اہلکار شہید ہو گیا۔ بعد میں اس کی بہادری پر اسے تمغہ سے نوازا گیا' وغیرہ۔ چوتھے دن اخبار میں خبر آئی کہ وہ خودکش نہیں بلکہ ایک ریموٹ کنٹرول بم دھماکہ تھا۔ اس لیے کہ اتفاق سے وہاں کیمرے لگے ہوئے تھے اور ان کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ کوڑے دان (dust bin) کے اندر بم موجود تھا جو ریموٹ کنٹرول سے پھاڑا گیا۔ یہ تو ایک واقعہ ہے جس میں اصل حقیقت سامنے آ گئی' ورنہ اخبارات اور میڈیا کا تو کام ہی یہی ہے کہ حادثہ ہوتے ہی واویلا مچانا شروع کر دیا جاتا ہے کہ یہ خودکش حملہ تھا اور طالبان نے اس کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ طالبان کو بدنام کرنے کے لیے یہ کام ایک پوری سازش کے تحت ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طالبان وہ ہیں جن کے کریڈٹ میں یہ کارنامہ ہے کہ انہیں جب موقع ملا انہوں نے اللہ کا دین قائم کیا اور کسی دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے شریعت نافذ کر دی' جس کی برکات دنیا بچشمِ سر دیکھ رہی تھی اور پھر جب ان پر دباؤ ڈالا گیا اور صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ پورے کا پورا عالمِ کفر ان پر چڑھ کر آیا تو وہ دباؤ میں نہیں آئے۔ انہوں نے امریکہ کے بجائے اللہ وحدہ لاشریک کی بڑائی کو تسلیم کیا۔ پھر انہوں نے ایک دن کے لیے بھی شکست تسلیم نہیں کی اور عالم کفر کا ایک مطالبہ بھی اب تک انہوں نے نہیں مانا' جبکہ ہم نے ایٹمی صلاحیت رکھتے ہوئے بھی سارے مطالبات ایک ہی دھمکی میں قبول کر لیے اور پوری قوم بھی مطمئن ہو کر بیٹھ گئی۔ چنانچہ طالبان افغانستان کے اس روشن امیج کو مسخ کرنا طاغوتی قوتوں کے ایجنڈے کا اہم حصہ ہے۔ بہرحال یہ سب میڈیا کے ذریعے ہوا اور ہو رہا ہے اور میڈیا ہی اس پوری سازش کا روحِ رواں ہے۔ کسی نے اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش ہی نہیں کی کہ ع ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' کے معاملہ میں اصل مجرم اور ظالم کون ہے اور کون ظالم کے ظلم و ستم کے ردِعمل میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ پھر لال مسجد کے واقعے نے اس معاملے میں جلتی پر تیل کا کام کیا اور مظلوموں کی جانب سے انتقامی کارروائیوں پر انہی کو مطعون کیا جاتا رہا۔

دوسرا انتہا پسندانہ رویہ: تکفیری سوچ

امریکی جنگ کے حوالے سے پورا پس منظر اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس پورے معاملے کو اس کے اصل پس منظر میں دیکھا جا سکے۔ اب اس ساری صورت حال نے کہ جس میں ہمارا سارا میڈیا اصل مجرموں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے مظلوموں کو ہی مجرم قرار دینے پر تُلا ہوا تھا' ایک دوسرے انتہا پسندانہ رویے اور سوچ کو تقویت دینے کا کام کیا ہے۔ دوسری

انتہا پسندانہ سوچ وہ ہے جسے ہمارے علماء تکفیری سوچ کہتے ہیں۔ یہ انتہا پسندانہ سوچ دین و مذہب سے بے پناہ لگاؤ رکھنے والے طبقات میں عدم توازن کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت ہی میں گویا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے اس کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس سوچ کی بنیاد ٹھوس علم کا نہ ہونا اور قرآن و حدیث کے سطحی مطالعے سے اپنے حاصل شدہ نتائج کو حتمی اور حرفِ آخر سمجھ لینا ہے۔ یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ دین کے معاملے میں اتھارٹی تو اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہؓ ہیں جنہوں نے براہِ راست نبی اکرم ﷺ سے دین سمجھا اور سیکھا۔ پھر یہ علم تابعین اور تبع تابعین سے ہوتا ہوا ان راسخ العلم علماء کے ذریعے ہم تک پہنچا جن کی پوری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزری اور جو اس سنہری سلسلے سے جڑے ہوئے ہیں۔

علم دین اس چیز کا نام نہیں کہ کچھ سطحی معلومات حاصل کر لی جائیں اور پھر ان راسخ العلم علماء کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جائے۔ تاریخِ اسلام میں خوارج اس کی ایک واضح مثال ہیں۔ وہ اس معاملے میں انتہا پسندی کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بہت عبادت گزار اور مذہبی لوگ تھے لیکن دینی معاملات میں اہلِ علم سے رہنمائی لینے کی بجائے‘ دین میں سند کا مقام رکھنے والے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے ہوتے ہوئے‘ ایمان و عمل کے تعلق کے حوالے سے اپنی سطحی معلومات کی بنا پر دین کی ایسی تعبیرات کر رہے تھے جو ان کی خود ساختہ تھیں اور عدم توازن پر مبنی تھیں۔ صحابہ کرامؓ جو دین کو سب سے بڑھ کر سمجھنے والے تھے‘ انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ اپنی خود ساختہ آراء کے بارے میں ان کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ بعض احادیث کے ظاہری الفاظ سے اگرچہ ایسا تاثر ملتا ہے‘ لیکن بہت سی دوسری احادیث اور نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے طرزِ عمل کو سامنے رکھیں تو یہ بات سو فیصد غلط ہے جس حد تک وہ پہنچے۔ مثلاً اگر کسی نے شراب پی لی یا کسی اور کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا تو اب خوارج کے فلسفے اور نتائج علمی کی رو سے یہ شخص کافر ہو گیا۔ پہلے مسلمان تھا اب کافر ہو گیا تو اس طرح مرتد بھی ہو گیا اور مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے‘ لہٰذا اس کو قتل کر دو۔ یہ انتہائی احمقانہ بات ہے‘ لیکن جب کسی کے دل میں سما جائے تو وہاں سے ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی خوارج کے دلوں سے اس بات کو نہیں مٹا سکے‘ حتیٰ کہ خوارج اپنی اس بات میں اس انتہا تک پہنچے کہ وہ ایسے ہر مسلمان کو جو ان کی مخصوص انتہا پسندانہ سوچ کی تائید نہ کرتا‘ قتل کر دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ یہ ایسی انتہا پسندانہ منفی سوچ تھی جس کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف قتال کیا۔

تکفیری سوچ مسلمان مجاہدین میں کیسے آئی؟

عصرِ حاضر میں اس تکفیری سوچ کی عکاسی ہمیں اولاً مصر میں نظر آتی ہے۔ وہاں الاخوان المسلمون سے وابستہ کچھ افراد میں حسن البناء کی شہادت کے بعد اسی نوع کی انتہا پسندانہ سوچ نے جنم لیا۔ یہ ۱۹۵۶ء کے بعد کی بات ہے جب الاخوان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے' بہت سوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا اور حسن البناء کی شہادت ہوگئی۔ اس دوران الاخوان میں ایک گروپ ایسا پیدا ہوا جو حسن البناء شہید کی تعلیمات کے برعکس غیر اللہ کی حاکمیت پر مبنی طاغوتی نظام سے وابستہ لوگوں اور ایسے نظام کو قبول (accept) کرنے والے مسلمانوں کو خارج از اسلام یعنی کافر قرار دیتا تھا۔ پھر ان کے اندر یہ تکفیری سوچ پختہ ہونے لگی تو انہوں نے اپنی ایک الگ جماعت ''جماعت المسلمین'' کے نام سے بنائی' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصے کے بعد ان میں یہ سوچ پختہ ہوتی چلی گئی کہ اب مسلمان صرف ہم ہی ہیں اور اس جماعت سے جو باہر ہیں وہ سب کافر ہیں۔ چنانچہ اس جماعت کو ''جماعة التكفير والهجرة'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ نوٹ کرلیں کہ کسی کلمہ گو کے بارے میں یہ کہنا وہ کافر ہوگیا ہے اور پھر اس کی تکفیر کا اعلان کرنا یہ ایک بہت نازک معاملہ ہے اور یہ ہر کس وناکس کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ اس کے اہل صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی ساری عمر علم دین ہی کے میدان میں گزری ہو اور وہ فقہی امور میں پختہ علم رکھتے ہوں — یہ کہہ دینا کہ فلاں اس معاملے میں انتہا پسندی کا شکار ہے' فلاں نے فلاں معاملے میں دین کی تعلیمات سے انحراف کیا ہے یا فلاں نے دین سے بغاوت والا راستہ اختیار کیا ہے' یہ سارے الفاظ تو کہے جاتے ہیں لیکن کسی کے کفر کا اعلان کرنا نہ صرف ایک بہت بڑی بات ہے بلکہ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ پھر یہی تکفیری سوچ جب آگے بڑھتی ہے تو یہاں تک پہنچتی ہے کہ ایسے مسلمان نہ صرف یہ کہ حقیقت میں کافر سمجھے جاتے ہیں بلکہ حربی کافر کی طرح مباحُ الدّم بھی قرار پاتے ہیں۔ حالانکہ کافروں میں سے بھی صرف ان کی جان لی جاسکتی ہے جو حربی کافر ہوں یعنی جو مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ حملہ آور ہوئے ہوں یا اپنے نظریات کو انہوں نے فروغ دینا شروع کیا ہو۔

اب اس تکفیری سوچ کے تناظر میں موجودہ صورتحال پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ عرب مجاہدین اور القاعدہ میں سے بہت سوں کا تعلق مصر سے تھا۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو جماعة التكفير والهجره والی سوچ سے کسی قدر ہم آہنگی رکھتے تھے' لہٰذا انہوں نے اس

سوچ کو یہاں پر فروغ دینا شروع کیا۔ فتنے کے ماحول میں ایسی سوچ کو فروغ ملتا ہے۔ چنانچہ قبائلی علاقے میں یہ تصور پھیلنا شروع ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایسی سوچ رکھنے والوں کے نزدیک جنگ کے دوران طاغوتی قوتوں کو کمزور کرنے کے لیے ان عام مسلمانوں کا بھی قتلِ عام جائز ہو گیا جو اس طاغوت کا باقاعدہ حصہ تو نہیں ہیں، لیکن انہوں نے اس طاغوتی نظام کو قبول کیا ہوا ہے اور اس کے خلاف کھڑے نہیں ہوئے۔ آہستہ آہستہ یہ انتہا پسندانہ سوچ جہادی گروپ سے وابستہ نوجوانوں میں بھی پروان چڑھی ہے۔ یہ سوچ کیوں پروان چڑھی ہے اور اس کا بڑا سبب کیا ہے وہ میں آگے چل کر بیان کروں گا، لیکن یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ یہ سوچ ردعمل ہے امریکہ اور نیٹو کے ظلم وستم اور امریکہ کے ساتھ پاکستان جیسے اسلامی ملک کے اس بھرپور تعاون کا جو اس نے امریکہ کے ''فرنٹ لائن الائی'' کے طور پر کیا، یہاں تک کہ عرب مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر امریکی درندوں کے حوالے کیا گیا اور اس کے عوض ڈالرز لیے گئے۔ پرویز مشرف نے اپنی کتاب میں اسے تسلیم کیا ہے اور وہ تو اسے اپنا ایک کارنامہ سمجھ رہا ہے۔ پھر اس حوالے سے ہمارے ہاں ایک مثال موجود ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے بھی آنکھوں میں نمی آ جاتی ہے۔ ہماری ہی ایک مسلمان بہن عافیہ صدیقی جو آج تک امریکہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہی ہے۔ کیا ہو رہا ہے اس کے ساتھ اور کون ہے کرنے والا، یہ آپ سب کو معلوم ہے۔ لہٰذا اس طرح کے واقعات کے ردعمل (reaction) میں نوجوان اس انتہا پسندانہ سوچ کے حامل بن رہے ہیں۔

ایسی سوچ رکھنے والے اپنی جگہ بہت مخلص ہوتے ہیں اور گہرے دینی جذبات رکھنے کے ساتھ ساتھ غیرت وحمیت دینی سے بھی مالا مال ہوتے ہیں، لیکن حالات کی سنگینی کے ردعمل میں اعتدال کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ پھر وہ قرآن وحدیث کے محدود اور قدرے سطحی مطالعے سے اپنی انتہا پسندانہ سوچ کے لیے دلائل فراہم کرتے ہیں اور اس پر جازم ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ایسے جید اور سینئر علماء کی باتوں پر بھی کان دھرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو علمِ دین میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایسے ہی وہ مذہبی جذباتی عناصر ہیں جو نہ صرف طاغوت کے ساتھ سازگاری اختیار کرنے والے حکمرانوں اور لیڈروں کو صریحاً کافر قرار دے کر واجب القتل سمجھتے ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مسلمان عوام کے قتل عام کو بھی نہ صرف جائز بلکہ اجر وثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔ اس طرح کی سوچ رکھنے والے جذباتی شدت پسند مسلمان غیر دانستہ طور پر اسلام دشمن طاقتوں کے آلہ کار بن کر دہشت گردانہ سرگرمیاں کرتے ہیں اور امنِ عامہ کو تہ وبالا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔

تکفیری سوچ کا ایک بڑا سبب: جیّد علماء کی خاموشی

ہمارے نزدیک اس انتہا پسندانہ سوچ یا رویّے کا ایک سبب جہاں موجودہ حالات کی سنگینی اور ردِّعمل ہے وہیں اس کا ایک بہت بڑا سبب ہمارے دینی قائدین اور علماء کا عمومی کردار اور مجرمانہ غفلت ہے۔ نائن الیون کے بعد ہم نے اسلام کے خلاف طاغوتی قوتوں کی جنگ میں جب صفِ اوّل کا اتحادی بننے کا سنگین فیصلہ کیا' جو صریحاً اللہ اور اس کے دین سے بغاوت پر مبنی تھا' اس وقت علماء کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس جرمِ عظیم کے خلاف زوردار انداز میں آواز اٹھاتے' اس کی سنگینی سے عوام الناس اور عام مسلمانوں کو مطلع کرتے اور حکومت وقت کے ساتھ ہر قسم کے تعاون سے اعلان براءت کرتے۔ لیکن افسوس کہ علماء کرام کی عظیم اکثریت نے اس معاملے میں اس اہم ترین ذمہ داری کو ادا نہیں کیا بلکہ چپ کا روزہ رکھنے کو ترجیح دی اور زبان کھولنے کے حوالے سے وہ اپنے اپنے مسلک کے ان سیاسی قائدین کی طرف دیکھتے رہے جن کے ہاں مصلحتوں' حکمت عملی اور سیاسی مفادات کو ترجیح اول کا مقام حاصل ہے۔ میرے نزدیک مستند اور اہلِ علم علماء کی عظیم اکثریت کے چپ سادھ لینے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ ردِّعمل کا شکار انتہا پسندانہ سوچ رکھنے والے غیر مستند علماء و دانشوروں کے افکار و نظریات کو فروغ حاصل ہونے لگا۔ چنانچہ دینی جذبہ رکھنے والے عوام اور بالخصوص وہ نوجوان جو حالات کے ردِّعمل میں موجودہ عالمی طاغوتی قوتوں اور ان کے ایجنٹوں کے خلاف شدید جذبات رکھتے تھے' وہ اس سوچ کے گرویدہ ہو گئے۔ اس طرح حمیت و غیرتِ دینی کا ملی جذبہ اس انتہا پسندی کا شکار ہونے لگا اور پھر طاغوت کے ساتھ تعاون کرنے والے حکمرانوں کے ساتھ ساتھ مسلمان عوام بھی مباح الدم ٹھہرے اور عوامی سطح پر ہر نوع کی دہشت گردی اور تخریب کاری جائز قرار پائی۔

اس حوالے سے یہ بھی نوٹ کر لیں کہ ان تمام سرگرمیوں کا سارا فائدہ اسلام دشمن طاقتوں ہی کو پہنچ رہا ہے' اس لیے کہ ان کی اس نوع کی کارروائیوں کے نتیجے میں مسلمان معاشرے کا وہ بنیادی ڈھانچہ (structure) بھی کمزور سے کمزور تر ہو رہا ہے جو فی الحقیقت ان اسلام پسند مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کی عظیم اکثریت طاغوتی نظام سے سازگاری کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور عالمی طاغوتی قوتوں کے ساتھ حکومتی سطح پر تعاون کو دینی نگاہ سے غلط اور ناجائز سمجھتی ہے۔ اب ان کو بھی اگر آپ نے اپنے نشانے پر رکھ لیا ہے اور ان کا بھی قلع قمع کرنے اور ان کے خلاف کسی بھی قسم کی تخریبی کارروائیوں میں آپ کو کوئی تأمل نہیں ہے تو پھر نقصان صرف حکومت کا نہیں' بلکہ اس پورے نظام اور ڈھانچہ (structure) کو بھی ہو رہا ہے جو امریکہ کے خلاف شدید

جذبات رکھنے والوں اور مجاہدین کی مدد کرنے والوں پر بھی مشتمل ہے۔ ان میں وہ طبقہ بھی شامل ہے جس کو اگر صحیح طور پر راہنمائی ملے تو وہ اسلام کے لیے مفید اور معاون ہو سکتا ہے — یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ نائن الیون کے بعد جہاں ایک طرف حکومتی سطح پر طالبانِ افغانستان اور ان کی اسلامی حکومت کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے والا کردار (حکومتی سطح پر) ادا کیا گیا وہیں دوسری طرف امریکہ اور نیٹو کے خلاف گوریلا وار میں طالبانِ افغانستان کی اخلاقی تائید اور مادی امداد کا بہت بڑا ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے مخلص مسلمانوں ہی کو بنایا ہے۔ یہ شرف بھی پاکستان ہی کے حصے میں آیا ہے اور طالبان افغانستان کو جو تھوڑی بہت مدد مل رہی ہے تو وہ پاکستانی عوام سے مل رہی ہے۔ اگر ہم اس پورے ڈھانچے ہی کو ہلا دیں گے تو پھر نقصان دین اسلام اور مسلمانوں ہی کا ہے اور اس کا سارا فائدہ پہنچے گا طاغوتی قوتوں کو۔ واضح رہے کہ ڈھانچے سے میری مراد جمہوری ڈھانچہ نہیں ہے بلکہ میری مراد ایسے معاشرہ کا اسلامی ڈھانچہ ہے جس کے زیادہ تر افراد اسلام پسند ہیں اور کفر اور طاغوت کو ناپسند کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں ان کی صحیح راہنمائی نہیں کی گئی اور اگر انہیں صحیح راہنمائی ملے تو وہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے بہترین مدد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

دو انتہا پسندانہ رویّوں میں نقطہ اعتدال؟

بہرحال یہ دو انتہا پسندانہ رویے تھے جن کی نشاندہی ضروری تھی۔ پہلا رویہ صریحاً اللہ اور اس کے دین کے ساتھ بغاوت پر مشتمل ہے‘ جبکہ دوسرا ہے تو دین اسلام کی حمایت اور طاغوتی نظام سے بیزاری کی نیک بنیادوں پر مشتمل‘ تاہم ردِعمل کی بنا پر یوں انتہا پسندی کا شکار ہے کہ طاغوتی نظام کے تحت رہنے والے مسلمان عوام بھی ان کے نزدیک مباح الدم اور لائقِ قتل ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ اس دوسرے طبقے کی کارروائیوں کے نتیجے میں مسلمانوں ہی کی قوت کمزور ہو رہی ہے اور سارا فائدہ اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کو پہنچ رہا ہے۔

آخر میں‘ میں اس سوال کو زیر بحث لا رہا ہوں کہ اس میں نقطہ اعتدال کیا ہے؟ ماقبل بیان کردہ سورۃ النساء کی آیت ۷۶ کے حوالے سے میں نے یہ سوال آپ کے ذہن میں ڈال دیا تھا کہ اس اعتبار سے تو ہم کافروں کی صف میں شمار ہو گئے‘ لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس کے حوالے سے اب ہم تکفیری سوچ کو اختیار کر لیں جو انتہا پسندانہ سوچ ہے؟

وہ مسلمان حکمران یا مسلم طبقات جو طاغوتی قوتوں کے ساتھ سازگاری اختیار کرتے ہیں اور ان کے ناپاک ایجنڈے کی تکمیل میں ان کے معاون و مددگار بھی ہیں‘ دینی اعتبار سے وہ کہاں کھڑے ہیں؟ قرآن وسنت کے محدود مطالعے کی بنیاد پر میرا جو موقف ہے مجھے امید ہے

کہ مستند علماء جو علم دین میں رسوخ رکھتے ہیں' میری تائید کریں گے۔ میرے موقف کی بنیاد سورۃ المائدہ کا رکوع ۸ اور نبی اکرم ﷺ کا اُسوہ ہے' میری کوشش ہے کہ میرا موقف قرآن و صاحبِ قرآن ﷺ کی منشا کے مطابق ہو۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ کے ان آیات میں جو راہنمائی ملتی ہے وہ میں آپ کے سامنے بیان کیے دیتا ہوں۔ فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾ ''اے اہل ایمان! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا۔ ان میں سے بعض بعض کے دوست ہیں''۔ یعنی یہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے ہیں اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ قرآن نے یہود و نصاریٰ دونوں کو بریکٹ کیا ہے اور اِس وقت موجودہ حالات میں یہود و نصاریٰ فی الحقیقت ایک وحدت بن چکے ہیں' اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اُس وقت یہود و نصاریٰ کی آپس میں شدید دشمنی تھی' تاہم اسلام دشمنی میں وہ دونوں ایک تھے۔ اس لیے بانی محترمؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ جب یہ دونوں ''ٹو ان ون'' یعنی فی الواقع یک جان دو قالب ہو جائیں گے اور آج وہ ایک ہی ہیں۔ آگے فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾ ''اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست رکھے گا پس وہ انہی میں سے ہوگا''۔ ظاہر بات ہے کہ اُس وقت منافقین موجود تھے اور ان کی ساری دوستیاں اور تعلقات یہود کے ساتھ تھے تو وہ انہی میں سے شمار ہوں گے' گویا وہ بھی اللہ کے ہاں یہودی قرار پائیں گے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''جان لو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دے گا''۔ یعنی اتنے واضح حکم آنے کے بعد بھی جو ان کے ساتھ دوستیاں اور تعلقات رکھے گا اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اگلی آیت میں فرمایا: ﴿فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ﴾ ''تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے وہ پھر بھی ان ہی میں گھستے ہیں''۔ یعنی جانتے بوجھتے انہی سے دوستانہ تعلقات رکھتے اور اپنے مسائل لے کر انہی کی طرف جاتے ہیں۔ پھر سمجھتے ہیں کہ یہی ہمارے سرپرست ہیں اور یہی ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔ ﴿یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ﴾ ''(وہ اپنے اس طرزِ عمل کے جواز کے طور پر) کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے'' —— یہود بڑے بڑے ساہوکار تھے اور وہ سود پر قرضے دیتے تھے اور منافقین اس لیے ان سے تعلق رکھتے تھے کہ کہیں ہمیں پیسوں کی ضرورت پڑے تو یہ ہماری مدد کریں گے۔ ویسے وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اسلام اور کفر کی اس جنگ میں یہودی ایک طرف ہیں اور ان کے ساتھ پورا عرب اور مشرکین

ہیں‘ جبکہ یہ مسلمان تعداد میں تھوڑے سے ہیں‘ لہٰذا معلوم نہیں کہ آخر کار کس کو فتح حاصل ہو۔ انہوں نے یہود کے ساتھ دوستی کو اس غرض سے ترجیح دی کہ کہیں ہم پر کوئی مصیبت نہ آ جائے اور کہیں ہمارا تورا بورا نہ ہو جائے—— اس بات کو اپنے اوپر قیاس کر لیجیے کہ ہم نے امریکی جنگ میں تعاون اور ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ اس لیے کیا کہ کہیں ہم پر کوئی آزمائش نہ آ جائے‘ کہیں ہمارے حالات خراب نہ ہو جائیں‘ کہیں ہم امریکہ کے غضب کا نشانہ نہ بن جائیں‘ البتہ اللہ کے غضب کا نشانہ بن جائیں تو کوئی حرج نہیں! آگے فرمایا: ﴿فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ﴾ ”تو کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں ہی کو) فتح عطا فرما دے یا اپنے ہاں سے کوئی امر نازل فرما دے“ ﴿فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝﴾ ”پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جو چھپایا کرتے تھے‘ پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔“

ان آیات میں بیان کیے گئے یہود اور منافقین کے کردار کا آج کے حالات سے تقابل کریں تو پتا چلتا ہے کہ آج بھی یہود کا ایک طبقہ مسلمانوں کے خلاف بدترین سازشیں کر رہا ہے اور اسلام کو مٹانے کے لیے یہود و نصاریٰ بالکل یک جان دو قالب بن کر سرگرم عمل ہیں۔ مسلمانوں میں سے بھی بعض عناصر‘ بالخصوص حکمران طبقات اور ان کے ہمنوا ان اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ دوستیاں بھی رکھے ہوئے ہیں‘ ان کی مدد بھی کر رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں میں برابر کے شریک بھی ہیں۔ یہ بعینہٖ ایک ہی کردار ہے۔ وہاں عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی تھے جن کی دوستیاں ان یہود کے ساتھ تھیں جو صریحاً اسلام کو مٹانے کے درپے تھے اور منافقوں کا یہ ٹولہ ان کی بھرپور معاونت کر رہا تھا جبکہ یہاں پرویز مشرف اور اس کا ٹولہ اور اس کی سوچ رکھنے والے لوگ ہیں جو انہی اسلام دشمن طاقتوں یعنی یہود و نصاریٰ کے ”فرنٹ لائن الائی“ بن کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا نبی آخر الزمان ﷺ نے عبداللہ بن اُبی اور اس جیسی سوچ رکھنے والوں کی تکفیر کر کے ان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا اور ان کو مباح الدم سمجھا تھا؟ حالانکہ آپ ﷺ کو تو خوب معلوم تھا کہ سورۃ المائدۃ کی ان آیات میں کن کا تذکرہ ہو رہا ہے اور یہ لوگ اللہ کے ہاں سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اس بدترین کردار ادا کرنے والے منافقین کی بھی نبی اکرم ﷺ نے تکفیر نہیں کی اور ان کو قتل کرنے کے احکامات جاری نہیں کیے‘ بلکہ آپ ؐ نے عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ کو سامنے رکھتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کسی شخص کے انتہائی مبغوض کردار ہونے کے باوجود اس

کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ ہاں ان آیات مبارکہ اور بہت سی دیگر آیات کے حوالے سے منافقانہ طرزِ عمل کو خوب اچھی طرح واضح کیا گیا کہ عام آدمی بھی بآسانی پہچان جاتا تھا کہ کون اسلام کے لبادے میں حقیقت کے اعتبار سے منافق اور اللہ کا دشمن ہے! اس منافقانہ طرزِ عمل کا آخری انجام بھی خوب اچھی طرح واضح کر دیا گیا کہ ایسے لوگ آخرت میں سخت ترین عذاب کے مستحق ہوں گے۔

علماء کرام کی ذمہ داری اور کرنے کا اصل کام

عوام الناس کو دینی رہنمائی فراہم کرنا اور وقت کے منکرات کی نشاندہی کر کے انہیں منکرات سے روکنا علماء کرام کی اہم ترین اور بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ سورۃ المائدۃ ہی میں فرمایا گیا: ﴿ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ﴾ (آیت ۶۳) ''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہوں کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟'' اس حوالے سے آج علماء کی ایک نہایت اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ واضح طور پر عوام کو بتائیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طاغوتی طاقتوں کا ساتھ دینا بدترین منافقانہ کردار ہے۔ انہیں یہ بتایا جائے کہ یہ وہی کردار ہے جو عبداللہ بن اُبی اور بدترین منافقین کا تھا جو مسلمانوں کے خلاف دلوں کے اندر بغض رکھتے تھے حالانکہ ایمان بھی لائے تھے' کلمہ بھی پڑھتے تھے' حضور ﷺ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھ رہے تھے اور ظاہراً اس اسلامی معاشرے کا حصہ تھے' لیکن حقیقتاً یہ یہود کے آلہ کار تھے اور بدترین منافقانہ کردار ادا کر رہے تھے۔ علماء کو چاہیے کہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس بات کو اُجاگر کریں کہ یہ کردار اعتقادی منافقین کا کردار ہے جن کا انجام روزِ قیامت بدترین کفار کے ساتھ ہوگا۔ اور یہ کہ اس کردار کا حامل مسلمانوں کے خلاف طاغوتی طاقتوں کا ساتھ دے کر حقیقتاً اللہ اور اس کے دین سے بغاوت کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہے۔ یہ ہے ان کی صحیح صحیح پوزیشن جواز روئے قرآن وسنت ہمارے سامنے آتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس موقع پر دینی طبقات کا کردار یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ واضح کرتے کہ شرعی اعتبار سے ہم نے بحیثیت قوم کتنا بڑا جرم کیا ہے اور یہ جو پڑوسی اسلامی حکومت اور مسلمان مجاہدین کے خلاف امریکہ کے ساتھ تعاون کا فیصلہ ہم نے بحیثیت قوم کیا ہے' اور جس پر ہم عمل پیرا بھی ہیں' یہ تو صریحاً اللہ اور اس کے دین سے بغاوت کے مترادف ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس حکومتی فیصلے کو ذہناً قبول نہ کریں اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہیں' کیونکہ منکرات کے خلاف آواز اٹھانا بھی دین کے بنیادی تقاضوں میں سے ہے۔ اور پھر آخری درجے میں منکر کو ہاتھ کی قوت کے ساتھ بدلنے کا عزم بھی درکار ہے۔ منکرات کے خلاف عوام کی ذہن سازی

کر کے عوامی قوت کی مدد سے منکرات کو جڑ سے اُکھاڑنا بھی اصلاً علماء کرام کی ذمہ داری ہے:
((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ...))۔
نبی اکرم ﷺ کے اُسوہ سے منکر کے خلاف ہمیں یہی منہج ملتا ہے کہ پہلے زبان سے منکرات کے خلاف جہاد کیا جائے اور جب قوت فراہم ہو جائے تو قوت کے استعمال سے باطل نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔ اس حوالے سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف ہے اور ہم اس کے قائل ہیں کہ فاسق و فاجر مسلمان حکمران کے خلاف مسلح بغاوت بھی ہو سکتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کی تیاری اتنی ہو کہ آپ کو یقین ہو کہ جب آپ مسلح بغاوت کریں گے تو حکومت کا تختہ الٹ سکیں گے اور اپنی حکومت قائم کر سکیں گے۔ اگر اتنی تیاری نہیں ہے اور پھر بھی آپ خروج کرتے ہیں تو یہ فساد ہے۔ اس لیے کہ اس کے نتیجے میں قتل و خونریزی ہو گی اور پھر حکومت بھی وہیں کی وہیں رہے گی۔ لہٰذا اسی اصول کے تحت علماء کو آگے بڑھنا چاہیے۔ اور علماء اب اس نتیجے تک پہنچ چکے ہیں کہ اس دور میں راستہ وہی ہے جو بانی محترمؒ نے تجویز کیا تھا کہ ایک انقلابی جماعت بنے، قرآن کی تعلیمات عام کی جائیں، منکرات کے خلاف آواز اٹھائی جائے، لوگوں کے اندر منکرات، باطل نظام اور طاغوتی نظام کے خلاف شعور پیدا کیا جائے، انہیں باطل نظام کے خلاف جان و مال قربان کرنے پر آمادہ کیا جائے اور پھر ایک عوامی تحریک برپا کی جائے جو اس جمے ہوئے نظام کی دھجیاں بکھیر دے اور اسے سیلاب میں بہا کر لے جائے۔ اب علماء کے بہت سے طبقات نے تسلیم کر لیا ہے کہ کرنے کا اصل کام یہی ہے۔ باقی جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں قتال ہی آخری چیز ہے تو اس کا انکار ہم بھی نہیں کرتے، لیکن پہلے اس کی شرط تو پوری کریں کہ اتنا اسلحہ اور اتنا ساز و سامان ہو کہ جس سے یقین کی حد تک گمان پیدا ہو جائے کہ اگر ہم اس طاغوتی نظام کے خلاف مسلح جدّوجُہد کریں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ اس معاشرے میں بحالاتِ موجودہ مستقبل قریب میں یہ ممکن نہیں ہے، لیکن اس سے بہت پہلے یہ کام ہو سکتا ہے کہ ایسی بھرپور عوامی تحریک برپا کی جائے جس سے یہ طاغوتی نظام جڑ سے اُکھڑ جائے۔ (واضح رہے کہ گوریلا طرز کی جنگ صرف مخصوص پہاڑی علاقوں میں لڑی جا سکتی ہے، میدانی علاقوں میں نہیں!)

اس کام کے لیے ایک ایسی انقلابی جماعت کا ہونا بے حد ضروری ہے جس کے اندر وہ لوگ شامل ہوں جو اولاً خود اپنے وجود پر اور اپنے گھروں میں اسلام کو نافذ کر چکے ہوں اور جماعتی نظام اور ڈسپلن کے خوگر ہو چکے ہوں۔ محض ہجوم کے ذریعے یہ منزل سر نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین! ۞۞۞